انتخاب

ریاض عاقب کوہلر

(تقدیر ہمیشہ تدبیر پر بھاری ہوتی ہے)

کہانی سنسنی خیز موڑ میں داخل ہو چکی تھی۔تینوں دم سادھے بوڑھے دادا کی جانب متوجہ تھے۔دادا کی داستان گوئی میں کوئی کلام نہیں تھا۔وہ عموماً اپنے دوستوں سے یہ بات بڑے فخر سے کہتے تھے کہ اگر....

"ان کا دادا پڑھا لکھا ہوتا تو شاید اس صدی کا سب سے بڑا ناول نگار ہوتا۔"اس کی ہر کہانی میں سسپنس کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے۔وہ سننے والوں کی نفسیات پر گہری نظر رکھتا تھا اور جب اسے محسوس ہوتا کہ سامعین مکمل طور پر کہانی میں کھو گئے ہیں تو وہ ایک دم کہانی سنانا بند کر دیتا اور تھکن کا بہانہ گھڑ کر سننے والوں کو اس بات پر مجبور کرتا کہ وہ اس کی منت سماجت کریں۔اس طرح وہ سامعین پر اپنی اہمیت واضح کرنے کی کوشش کرتا تھا۔اس کی یہی ادا اس کے پوتوں وقاص، وقار اور سلمان کو سخت ناپسند تھی۔اور اسی وجہ سے ان تینوں کے ابو عموماً کہانی کی شروعات ہی میں واک آوٹ کر جاتے تھے۔

اس وقت بھی کہانی ایک ڈرامائی موڑ میں داخل ہو چکی تھی۔دادا کا سکوت طول کھینچنے لگا تو وقاص بے صبری سے مستفسر ہوا۔

"پھر کیا ہوا دادا؟"

"بس بچو....! اب آرام کرو باقی کہانی کل...."ان کے دادا نے اپنے تکیے کو ہلا جلا کر سونے کے لیے درست کیا، گویا وہ لمبا پڑنے کے لیے تیار تھا۔

"نہیں نا دادا!۔۔۔۔ ابھی تو بہ مشکل دس بجے ہیں۔" وقار نے ضد کی۔

"بے وقوف۔۔۔۔! یہ جاڑے کے دس ہیں۔ گرمیوں کا موسم نہیں ہے۔" دادا کا غصہ بالکل مصنوعی تھا۔

"پلیز دادا۔۔۔۔! مان جائیں نا؟" اب باری سلمان کی تھی۔ "آپ روزانہ کہانی درمیان ہیں چھوڑ دیتے ہیں۔" اس نے منت کرنے کے ساتھ دادا کی لحاف میں چھپی ٹانگیں بھی دبانی شروع کر دی تھیں۔

"ایک تو تم لوگ ضد بہت کرتے ہو؟" دادا نے منہ بنا کر کہا۔ "بہر حال پہلے مجھے گرما گرم چائے پلاؤ۔" اس نے ناز سے فرمائش کی۔

"میرے آنے تک کہانی شروع نہیں کرنی۔" وقاص نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ کیونکہ تینوں بھائیوں میں وہی چائے بنا سکتا تھا۔ باقی دو صرف پینا جانتے تھے۔ اس لیے دادا کی یہ شرط پوری کرنے کے لیے عموماً اسے ہی قربانی دینی پڑتی۔ وقار اور سلمان دادا کی فرمائش پر اس کا سر یا ٹانگیں دبانے کی ذمہ داری پر مامور تھے۔ البتہ ماں جاگ رہی ہوتی تو چائے وہ خود بنا کر لاتی تھی اس طرح وقاص کی جان چھوٹ جاتی۔

وقاص صرف ایک ہی کپ چائے لایا تھا۔ کیونکہ باقی رات کے وقت چائے سے پرہیز ہی برتتے تھے۔ دادا نے اطمینان بھرے انداز میں چائے کا کپ خالی کیا۔ لحاف کو دوبارہ اچھی طرح اوڑھا حالانکہ گیس ہیٹر نے ہڈیوں میں اتر جانے والی سردی کو خوشگوار حدت میں بدلا ہوا تھا۔ مگر بقول دادا لحاف اوڑھنے کا اپنا ہی مزا ہوتا ہے۔

"تو بھئی کہانی کہاں تک پہنچی تھی؟" دادا نے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

"ظالم بادشاہ نے سوداگر کو دو کوٹھڑیوں کے سامنے کھڑا کر دیا جن کے دروازے لوہے کے تھے۔" وقاص نے جلدی سے لقمہ دیا۔

"ہاں۔۔۔۔" دادا نے یوں اثبات میں سر ہلایا جیسے پہلے اسے یہ بھولا ہوا ہو۔ حالانکہ یہ بات تینوں بھائی اچھی طرح جانتے تھے کہ دادا جان بوجھ کر ایسا کرتا ہے۔ تاکہ کہانی میں ان کی دلچسپی جان سکے۔ اس

وقت بھی انہوں نے دادا کو مایوس نہیں کیا تھا۔اور جھٹ کہانی کا وہ منظر بیان کر دیا، جہاں دادا نے کہانی روکی تھی۔

"خیر، بادشاہ نے سوداگر کو بتایا کہ ان دونوں کوٹھڑیوں میں سے ایک میں بھوکا شیر بند ہے۔ جبکہ دوسری خالی ہے۔اب یہ اس پر منحصر ہے، کہ وہ کس کوٹھڑی کا انتخاب کرتا ہے۔اگر وہ خالی کوٹھڑی میں گھس گیا تو بچ جائے گا۔دوسری صورت میں وہ جانے اور بھوکا شیر۔ بادشاہ کے دس گننے تک اسے کسی ایک کوٹھڑی کا انتخاب کرنا تھا۔ورنہ ننگی تلوار سونتے جلاد نے اس کی گردن اڑا دینی تھی۔ بادشاہ نے ٹھہر ٹھہر کر گنتی شروع کر دی۔ سوداگر عجیب مخمصے میں پڑ گیا تھا۔ کبھی وہ ایک کوٹھڑی کے دروازے کو دیکھتا تو کبھی دوسری کے۔جب بادشاہ کی گنتی نو تک پہنچی۔وہ بائیں طرف کی کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔اس کے اندر داخل ہوتے ہی دروازے کے ساتھ کھڑے دربان نے دروازہ بند کر دیا۔اور اسی لمحے دم بخود حاضرین سوداگر کی آخری چیخیں اور بھوکے شیر کی غراہٹیں سن رہے تھے۔جو شاید غذا پا کر مالک کے حضور شکر گزاری کے کلمات ادا کر رہا تھا۔

"اگر وہ دایاں دروازہ منتخب کر لیتا تو بچ جاتا۔"سلمان نے افسوس بھرے انداز میں سر ہلایا۔

"اتنا تو اس بے وقوف کو اندازہ ہونا چاہیے تھا کہ داہنی طرف بابرکت ہوتی ہے۔ ہے نا دادا؟" وقار نے تبصرہ کرتے ہوئے دادا سے تصدیق چاہی۔

اسے جواب دینے کے بجائے دادا وقاص سے رائے لینے لگا۔

"تمھارا کیا خیال ہے وقاص؟"

"شاید ہمیشہ کی طرح بادشاہ نے دوسری کوٹھڑی میں بھی بھوکا شیر بند کیا ہو اور سوداگر کو انتخاب کی دعوت دینا خود کو عوام کی نگاہوں میں انصاف پرور ثابت کرنے کا ڈراما ہو؟"

"گڈ.... شاباش۔" دادا نے وقاص کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔" بھئی آپ لوگوں کو بتایا تو ہے کہ اپنے معتوبین کو انتخاب کی دعوت دینا بادشاہ کی چال تھی۔اس طرح وہ عوام کی نظروں میں خود کو

انصاف پرور ثابت کرتا اور ہلاک ہونے والوں کی موت ان کی قسمت کے سر منڈھ دیتا۔ بادشاہ کے اس ظلم سے صرف اس کا وزیر باتدبیر واقف تھا۔ بلکہ بادشاہ کو یہ ترکیبیں بتانے والا بھی وہی تھا۔ ہر مرتبہ وہ بادشاہ کے معتوب ٹھہرنے والے مظلومین کے لےے نت نئے طریقے سوچتا۔ اس کی انھی مکاریوں اور سفاکیوں کی بدولت وہ بادشاہ کا منظور نظر تھا۔ وزارت کا عہدہ بھی اس نے انھی چالاکیوں کی بدولت حاصل کیا تھا۔ وہ گویا ایک طرح سے بادشاہ کے لےے ناگزیر تھا۔ لیکن اس نے بادشاہ کا یہ راز کبھی کسی کے سامنے نہیں کھولا تھا کیونکہ زبان کھول کر وہ اپنی گردن شانوں سے جدا کرانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ یوں بھی اسے سب سے تکلیف دہ موت تلوار سے گردن کٹوانے والی لگتی۔ اور پھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک دن وہ خود زیر عتاب آ گیا۔" دادا ایک لمحہ سانس لینے کے لےے رکا۔

سلمان نے جلدی سے پوچھا۔" وہ کیسے دادا؟"

"بتا رہا ہوں نا صبر نہیں ہوتا؟" دادا نے اسے جھڑکا۔

"سوری دادا! میں نے سوچا شاید آپ پھر کل پر ٹالنے لگے ہیں'۔" سلمان کے لہجے میں ندامت تھی۔

"نہیں دادا صرف ایک بریک لیتے ہیں۔" وقاص نے جلدی سے کہا۔ اور پھر دادا کی تصدیق چاہنے کے لےے بولا۔" ہے نا دادا؟"

میرا خیال ہے تمھیں کہانی میں کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے اس لےے فضول بحث میں پڑ گئے ہو؟" دادا کے لہجے میں ہلکی سی خفگی تھی۔

"دادا.... ! یہ ہیں ہی بد تمیز۔ انھیں دفع کریں میں ہمہ تن گوش ہوں نا؟" وقار نے جلدی سے بات سنبھالی باقی دونوں بھی ہونٹوں پر انگلی رکھ کر دادا کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

دادا نے کہانی کے ٹوٹے تسلسل کو جوڑا۔

بادشاہ کا حکم تھا کہ کوئی بھی ملازم بادشاہ کی آمد کے بعد دربار میں نہ پہنچے۔ گویا بادشاہ سلامت کے تشریف لانے سے پہلے تمام مشیر، وزیر اور دوسرے عہدہ داروں کا دربار میں حاضر ہونا لازم تھا۔ اس

دن وزیر کی شامت آئی ہوئی تھی کہ وہ لحظہ بھر لیٹ ہو گیا۔ اسے اپنے بعد دربار میں داخل ہوتا دیکھ کر بادشاہ کی تیوری پر بل پڑ گئے اور اس نے کڑک کر حکم دیا۔

"گرفتار کر لو اس ناہنجار کو، جو حکم شاہی سے عدول کا مرتکب ہوا ہے۔"

وزیر تھر تھر کانپتے ہوئے بولا۔ "رحم بادشاہ سلامت رحم، بندہ پر تقصیر بخشش کا خواست گار ہے۔ اور غلام نے جان بوجھ کر جرم عظیم کا ارتکاب نہیں کیا بلکہ ناسازی طبع اس کا موجب بنی۔"

"اسے کہتے ہیں چوری اور سینہ زوری۔" بادشاہ مزید بپھر گیا۔ "تمھاری بہانہ بازی۔ عذر گناہ بدتر از گناہ ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ طبیعت کی خرابی کے لیے حکم شاہی کیا ہے؟.... میں نے صاف لفظوں میں فرمان جاری کیا ہوا ہے کہ اگر کسی کی صحت ٹھیک نہ ہو تو وہ ایک دن پہلے اگلے دن کی رخصتی کی اجازت طلب کرے گا۔"

"حضور.....! روسیاہ تقصیر کا اعتراف کرتے ہوئے رحم کا طالب ہے۔" وزیر کا رنگ موت کو سامنے پا کر پیلا پڑ گیا تھا۔

"ہم انصاف سے کام لیں گے۔" بادشاہ جلال سے بولا۔ "اسے قید میں ڈال دیا جائے۔ تین دن بعد اسے انتخاب کی آزمائش سے گزرنا پڑے گا۔ اگر اس کی تقصیر قابل معافی ہوئی تو یہ بچ جائے گا۔ اس کے برعکس ہونے کی صورت میں اپنے انجام کو پہنچے گا۔"

انتخاب کا نام سنتے ہی وزیر کے رہے سہے اوسان بھی جاتے رہے کیونکہ وہ انتخاب کی حقیقت سے اچھی طرح آگاہ تھا۔ بادشاہ کے انتخاب کی دعوت، سزائے موت کا دوسرا نام تھا۔ اس قرعہ اندازی میں کسی کو بھی زندگی کی نوید ملنا ناممکن تھا۔ ہر مرتبہ بادشاہ انتخاب کا ایک نیا طریقہ بروئے کار لاتا بہ ظاہر انتخاب میں دو اختیار دیئے جاتے جن میں نظر یہی آتا کہ کہ زندگی اور موت پچاس فیصد ہے مگر در حقیقت وہ سو فیصد موت ہوتی تھی۔ اور یہ بات وزیر سے بہتر کون جان سکتا تھا کہ وہ اس کھیل کا حصہ رہ چکا تھا۔

وزیر نے آخری کوشش طور پر گڑگڑاتے ہوئے آواز بلند کی۔ "رحم بادشاہ سلامت!.....رحم۔" مگر

بادشاہ کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ شاہی ہرکارے وزیر کو بازوو ں سے پکڑے قید خانے کی طرف کھینچ کر لے گئے۔ معتوب وزیر کی بھوک پیاس اڑ چکی تھی۔ اپنی موت اسے واضح نظر آ رہی تھی۔ وہ ایک عقل منداور ذہین شخص تھا۔ لیکن انتخاب کا مرحلہ اتنا دشوار گزار اور مشکل تھا کہ ایک سو ایک فیصد موت یقینی تھی۔ وہ جتنا سوچتا پریشانی بڑھتی جاتی۔ اس کے ذہن میں وہ سارے کردار ایک تسلسل سے گردش کر رہے تھے جو انتخاب کی موت کا شکار ہوئے تھے۔ وہ مظلوم جن کے لیے اس نے نت نئے بے رحمانہ طریقے سوچے تھے۔ حالانکہ سبھی کا قصور نہ ہونے کے برابر تھا۔ چند دن پہلے بھوکے شیر کی خوراک بننے والا سوداگر جس کا قصور صرف اتنا تھا کہ اس نے اپنے پاس موجود قیمتی جواہرات بادشاہ سلامت کے بجائے جوہریوں کو فروخت کر دیئے تھے۔ مخبروں کی اطلاع پر بادشاہ نے اس کی گرفتاری کا حکم دیا تھا اور اس جرم عظیم کی پاداش میں اسے انتخاب کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس سے پہلے وہ شاہی باورچی جسے سالن میں نمک ملانا یاد نہیں رہا تھا۔ بادشاہ کے حکم پر اس کے سامنے دودھ سے بھرے دو پیالے رکھے گئے تھے۔ اور اسے بتایا یہ گیا تھا کہ ایک گلاس کے دودھ میں زہر ملا ہے اور دوسرے میں نہیں ہے۔ مگر حقیقت اس کے برعکس تھی۔ یہ ترکیب پیش کرنے پر وزیر نے خلعت فاخرہ کے علاوہ سونے کے سکے بھی انعام میں وصول کیے تھے۔ پھر اسے وہ جوہری بھی یاد آیا جسے بادشاہ کا تاج مزین کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی اور اس ضمن میں جو قیمتی جواہرات اس کے حوالے کیے گئے تھے اس نے ان میں سے ایک " لعل " ہیرا پھیری سے چھپانے کی کوشش کی تھی۔ بدلے میں انصاف پرور بادشاہ نے اپنے وزیر باتدبیر کی رائے پر عمل کرتے ہوئے اس کے سامنے دو پٹاریاں رکھی تھیں جن میں زہریلے ناگ بند تھے۔ اس نے اپنی مرضی سے ایک پٹاری میں ہاتھ ڈالنا تھا مگر وہ بدقسمت یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ انتخاب صرف اتنا ہی تھا کہ وہ کس پٹاری کے سانپ سے خود کو ڈسوانا پسند کرے گا۔ اسے وہ مہاوت بھی یاد آیا جو شاہی ہاتھی کو چارا ڈالنا بھول گیا تھا اور اس کے بدلے میں ....۔"

"دادا! آپ یہ سارے واقعات پہلے بھی سنا چکے ہیں۔" وقاص نے ہمت کرکے قطع کلامی کی جرا ت

کی۔

دادا نے خشمگین نظروں سے اسے گھورا مگر بات جاری رکھی۔

"تو میرے کہنے کا مطلب ہے کہ وزیر دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ بادشاہ اس کی موت کا کوئی آسان طریقہ سوچے۔اسے زہر خورانی کی موت آسان نظر آ رہی تھی مگر وہ بادشاہ کو اس بات پر مجبور نہیں کر سکتا تھا۔اس سے پہلے تو یہ ذمہ داری اس کی ہوتی تھی۔ مگر اب وہ خود اس کھیل کا شکار تھا اور کوئی ایسا طریقہ نہیں تھا کہ وہ بادشاہ پر اپنی مرضی مسلط کر سکتا۔دوپہر کا کھانا لانے والے خادم نے جو اس کا احسان مند اور خیر خواہ تھا اسے بتایا کہ بادشاہ نے اسے انتخاب کی کسوٹی سے گزارنے کے لے ے کون سا نیا طریقہ منتخب کیا ہے۔"

دادا اک لمحہ سانس لینے کے لے ے رکا۔یا شاید جان بوجھ کر سسپنس پیدا کرنا چاہتا تھا۔

وقاص بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔کہانی کچھ زیادہ ہی طول کھینچنے لگی تھی۔ صبح انہیں سکول بھی جانا تھا۔اور فجر کی نماز کے لے ے جگاتے وقت سب سے زیادہ شور دادا ہی نے کرنا تھا۔مگر یہ بات کرنے کا فائدہ اس لے ے بھی نہیں تھا کہ اس صورت میں دادا نے مزید کہانی کل پر ٹال دینی تھی جو اسے بالکل گوارا نہیں تھا۔

"اگر تھک گئے ہو تو کل سن لینا۔" دادا چہرے کے تاثّرات سے اس کی کیفیت جان گیا تھا۔

"نہیں نہیں.... "تینوں بیک زبان بولے۔اور دادا نے مسکراتے ہوئے کہانی کے ٹوٹے تسلسل کو جوڑا۔

"اس کے خیر خواہ نے بتایا کہ کل صبح اس کے سامنے بادشاہ کاغذ کی دو پرچیاں رکھے گا۔ایک پرچی پر "موت" لکھا ہوگا اور دوسری پر "رہائی" آگے اس کی اپنی قسمت۔اگر اس نے موت والی پرچی اٹھالی تو وہاں ایک جلاد ننگی تلوار سونتے کھڑا ہوگا۔اور پرچی پڑھتے ہی اس کی گردن تن سے جدا کر دے گا۔اور یہ بات تو وزیر اچھی طرح جانتا تھا کہ دونوں پرچیوں پر کیا لکھا ہوگا۔

"موت.....! ہے نا دادا؟" سلمان نے تصدیق چاہی۔

"شاید۔" دادا نے گول مول جواب دیا۔ وہ اصل بات سے کہانی کے اختتام تک سامعین کو بے خبر رکھنا چاہتا تھا۔

"وزیر کے پاس ایک رات ہی کا ٹائم تھا۔ اسے کوئی ایسی تدبیر سوچنی تھی جس سے اس کی جان بچ جاتی۔ اتنا تو اسے یقین تھا کہ منت زاری اور رونے دھونے سے ظالم بادشاہ جان بخشی کرنے والا نہیں تھا۔ ایک طریقہ تو یہ تھا کہ وہ دونوں پرچیاں اکٹھی اٹھا کر انھیں کھول لیتا اور دربار میں موجود لوگوں کو دکھا دیتا اس کا اور کوئی فائدہ ہوتا نہ ہوتا لوگوں کے سامنے بادشاہ کا اصل چہرہ کھل جاتا۔ مگر اس کے ساتھ یہ خیال سوہان روح تھا کہ مجرم کے قریب کھڑے چاق و چوبند جلاد نے اسے کب اتنا موقع دینا تھا کہ وہ بادشاہ کا پول کھول سکے۔ اسے کوئی دوسری تجویز سوچنا تھی۔ کوئی ایسی تجویز جس سے اس کی جان بچ جاتی۔ اس کا ایمان تھا کہ ہر الجھن، ہر مسئلے کا حل موجود ہوتا ہے، مگر آج اس کا ایمان متزلزل ہوا جا رہا تھا۔ دن ڈھلا اور رات کی تاریکی نے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں سے دور تھی۔ سوچ سوچ کر اس کا دماغ پک گیا تھا۔ اور پھر شاید قدرت کو اس پر رحم آ گیا۔ اچانک الہام کی طرح اس کے دماغ میں جان بچانے کی تجویز آئی اور وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ ظالم بادشاہ کے ظلم سے باآسانی بچ جائے گا۔"

"وہ کیسے دادا؟" وقاص نے بے صبری سے پوچھا۔

"تم سوچو نا.....؟ بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟" دادا نے تینوں کو سوچنے کی دعوت دی۔

"مجھے تو کچھ سجھائی نہیں دے رہا۔" سلمان نے فوراً شکست تسلیم کر لی۔

"میری سمجھ سے بھی باہر ہے۔" وقار نے بھی مغز کھپانا مناسب نہیں سمجھا۔

دادا نے سوالیہ نظروں سے وقاص کی طرح دیکھا جو تینوں بھائیوں میں بڑا تھا۔

"میرا تو خیال ہے اس کا کوئی بھی حل ممکن نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ بادشاہ اسے معاف کر دے یا وہ

قید خانے ہی سے بھاگ جائے۔"

"نہیں، ممکن تو ہے۔ یہ اور بات کہ تمھاری سوچ کی رسائی وہاں تک نہیں ہو پا رہی۔" دادا نے مسکرا کر کہا اور بات جاری رکھی۔ "خیر وزیر ترکیب سوچ کر سو گیا ذہنی آسودگی ملتے ہی اسے آسانی سے نیند آ گئی تھی۔"

"دادا تجویز تو بتایئں نا؟" وقاص سے صبر نہیں ہو رہا تھا۔

"وزیر کو لاجواب تجویز سوجھی تھی۔" خلاف توقع دادا کہانی کا اختتام بتانے پر تیار ہو گیا تھا۔ "اس نے سوچا اگر وہ دونوں پرچیوں میں سے ایک پرچی اٹھا کر جلدی سے نگل لے تو اس کی جان بچ سکتی ہے۔"

"وہ کیسے دادا؟.... پرچی نگلنے پر اس کی جان کیسے بچتی؟" سلمان کو یہ بات ہضم نہیں ہو سکی تھی۔

"دیکھو بادشاہ نے وزیر کو انتخاب کی دعوت دینے سے پہلے یہ اعلان تو کرنا تھا نا کہ ایک پرچی پر موت لکھا ہے اور دوسری پر رہائی....؟"

"جی۔" تینوں بیک زبان بولے۔

اور حقیقت میں دونوں پرچیوں پر کیا لکھا ہونا تھا؟۔"

"موت"۔ تینوں نے بیک زبان کہا۔

"تو بس وزیر نے سوچا کہ وہ ایک پرچی اٹھا کر نگل جائے گا۔ اور پھر کہے گا میں نے اپنے مقدر کی پرچی کھا لی ہے اب میری سزا پر عمل درآمد رہ جانے والی پرچی کو دیکھ کر کیا جائے۔ اگر تو اس پر رہائی لکھا ہے پھر میں نے موت والی پرچی کھائی ہے۔ اور اگر اس پر موت لکھا ہے پھر میں نے رہائی والی پرچی کھائی ہے اور اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ اور یہ تو وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ دونوں پرچیوں پر کیا لکھا ہو گا؟"

"ہرّا۔" سلمان نے نعرہ بلند کیا۔ "یہ ہوئی نا ترکیب۔"

"اور اس طرح وہ اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو گیا۔.... ہے نا دادا؟" وقار نے تصدیق چاہی۔

"نہیں بیٹا....! اس چال بازی کے باوجود وہ جان نہ بچا سکا اور اسے قتل ہونا پڑا۔"

"وہ کیوں دادا.... ! کیا ظالم بادشاہ، وزیر کے انتخاب میں کامیابی حاصل کرنے پر جل گیا تھا؟" وقاص کا سوال باقی دونوں کی سوچ میں بھی جاگزیں تھا۔

"نہیں۔" اس بار بھی دادا کا جواب نفی میں تھا۔

"پھر؟"

"کہانی کے اختتام پر پتا چل جائے گا نا؟" دادا نے ان کی یہ غلط فہمی دور کر دی کہ وہ کہانی کے انجام سے واقف ہو گئے ہیں۔

"افوہ...." وقاص نے ماتھا پکڑ لیا۔ اور دادا نے ہنستے ہوئے کہانی سنانا شروع کر دی۔

"اگلے دن وزیر ہشاش بشاش اٹھا ڈٹ کر صبح کا ناشتا کیا اور سپاہیوں کی معیت میں اس میدان کا رخ کیا جہاں انتخاب عمل میں لایا جانا تھا۔ بادشاہ کی آمد سے پہلے میدان عوام سے بھر گیا تھا۔ بادشاہ کی آمد کا اعلان ہوا۔ تمام نے کھڑے ہو کر بادشاہ کو تعظیم دی۔ اور اس کے بیٹھتے ہی سب بیٹھ گئے۔ وزیر کی فرد جرم پڑھ کر سنائی گئی، انتخاب کے عمل پر روشنی ڈالی گئی پھر بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے دو پرچیاں لکھ کر شیشے کے ایک بڑے مرتبان میں ڈالیں۔ اجازت ملتے ہی وزیر نہایت اطمینان سے آگے بڑھا بادشاہ بہ مشکل تین تک گن پایا تھا کہ اس نے ایک پرچی اٹھا کر نگل لی۔

اور با آواز بلند بولا۔ "میں نے اپنی قسمت نگل لی ہے۔ اب دوسری پرچی دیکھ کر میری قسمت کا فیصلہ کیا جائے۔"

اس کی اس حرکت پر جہاں میدان میں بیٹھے لوگوں کو حیرت ہوئی وہیں بادشاہ بھی ششدر رہ گیا تھا۔ جلاد نے آگے بڑھ کر دوسری پرچی اٹھا کر کھولی۔ پرچی پر لکھی تحریر پڑھتے ہی وزیر کے چہرے پر چھایا اطمینان وحشت میں بدلا اور اگلے لمحے وہ غش کھا کر گر پڑا۔ کیونکہ پرچی پر رہائی لکھا ہوا تھا۔"

"وہ کیسے دادا....؟ جب دونوں پرچیوں پر ایک ہی لفظ لکھا تھا تو پھر رہائی کیسے تحریر ہو گیا؟" تینوں بھائیوں کے ذہنوں میں چکرانے والے سوال کو وقاص نے الفاظ کے قالب میں ڈھالا۔

"وہ ایسے کہ تقدیر ہمیشہ تدبیر پر بھاری رہی ہے۔ حقیقت میں بادشاہ اسے مارنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اس کا ارادہ اسے بچانے کا تھا اس کے ساتھ اس نے یہ بھی سوچا تھا کہ انتخاب کے عمل میں ہر بندہ مارا جاتا ہے تو وزیر کو بچا کر وہ لوگوں کے ذہنوں میں موجود وہ شک بھی رفع کر سکتا تھا کہ انتخاب کا عمل شفاف طریقے سے بروئے کار نہیں لایا جاتا۔ اس وجہ سے اس نے دونوں پر چیوں پر رہائی لکھ دیا تھا"۔

"اہوہ.... !" تینوں بھائیوں نے افسوس سے سر ہلایا۔

"بہ ہر حال.... وزیر جان سے تو گیا لیکن بادشاہ عوام کے ذہن سے شبہات دور کرنے میں کامیاب رہا کیونکہ پر چی پر لکھا لفظ رہائی سب نے پڑھ لیا تھا۔"

دادا نے کہانی ختم کی اور تینوں اپنے اپنے بستر کی جانب بڑھ گئے۔